حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے شعری آثار

خالدہ جمیل

کوآپریٹو سوسائٹی لاہور

وہ ایک شاعر وہ اک مجاہد وہ اک قلندر لیا لئی فکر وفن کا اک بے کراں سمندر

ملت پاکستان کا کون فرد ہے جو اپنے سب سے بڑے مفکر شاعر اقبالؒ سے ناواقف ہو۔ یہ عظیم دانائے راز اور مرد خود بیں وخود آ گاہ جس کی بصیرت اور ایمان افروز پیغام آج دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی دلچسپی کا مرکز بن گیا ہے، اگر چہ آج ہم میں نہیں ہیں، لیکن یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔ کہ ہم ان میں ضرور ہیں، کیونکہ انہی کی فکری کاوش نے برصغیر ہندو پاک میں ایک قطعۂ زمین امت مسلمہ کے لیے الگ اور مخصوص کرا کر آزاد مملکت بنانے کی راہ سجھائی تھی۔ پاکستان کی سرزمین علامہ اقبال ہی کے ذہن کی پیداوار ہے۔

وہ جس نے آزاد خطۂ نو کا خواب بخشا غلام ذہنوں کو نقشۂ فتح باب بخشا

لہٰذا جنہوں نے کلام اقبالؒ کا مطالعہ کیا ہے، ان سے یہ بات مخفی نہیں کہ دیگر اکابرین کے کارناموں کی طرح علامہ اقبالؒ کی شاعری بھی تین واضح حصوں میں منقسم ہے۔ ان کے شباب کی شاعری، ان کی پختہ سالی کی شاعری، اور آخر میں ان کے بڑھاپے کی شاعری۔

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ علامہ اقبال اگر چہ اپنی جوانی ہی میں بلوغ فکر کے اعتبار سے پختہ سالی اور پختہ سال میں پیر دانا ہو چکے تھے، لیکن ان عناصر کے اعتبار سے جوان کی اپنی شاعری، ان کے فکر ان کے جذبات، اور ان کے پیغام کے بنیادی عناصر ہیں، وہ ہمیشہ جوان رہے۔ اسی لیے ان کے سخن کی حرارت، اور ان کے پیغام کا جوش خاص کر نوجوان نسل میں خون کی

حدت کو تیز کرتا اور انہیں تسخیر ذات اور تسخیر کائنات دونوں پر آمادہ کرتا ہے۔

(الف) علامہ اقبال کی شاعری کا پہلا دور:

علامہ اقبال کی شاعری کا پہلا دور فطری طور پر مطالعے اور تیاری کا دور ہے، ان کی جوانی کی شاعری میں وہ سنداور وہ سیمابی کیفیت ضرور موجود رہی جسے ان کے فکر وفن کی اولین خصوصیت کہنا چاہے، اور جو آگے چل کر ان کی فکری اور الہامی شاعری پر پوری طرح چھا گئی، لیکن ابھی اس نے تلاطم انگیز اور آفاقی گیر رنگ اختیار نہیں کیا تھا، جو شعرا قبالؒ کے درمیانی اور آخری دور سے نسبت رکھتا ہے، علامہ اقبالؒ کا شعر شباب خودفکری اور خودشناسی کی ایک لطیف وجمیل کیفیت سے سرشار ہے اور جب شاعر اس کیفیت سے ذرا چونکتا ہے تو اپنے گردوپیش پر بھی ایک نظر غائر ڈال لیتا ہے، لیکن اس کے پاس اپنے حدیث نفسی کے اظہار اور ایک دل دردمند کی پکار کے سوا کوئی پیغام نہیں ہے، نوجوان شاعر اپنے نوجوان ہمعصروں کو فطری طور پر کوئی پیغام دینے سے ہچکچاتا ہے اور یہ اس کی حقیقت پسندی اور عظمت کا ایک قطعی نشان ہے۔

علامہ اقبالؒ (نوجوان اقبالؒ) اس جوہر طبیعت اور اس انداز تربیت سے آراستہ ہوکر تکمیل تعلیم کے سلسلے میں یورپ گئے، تو انہیں دیار مغرب میں اپنی فکر کو جلا دینے اور اپنے ذہنی افق کو وسیع تر کرنے کے بے شمار مواقع میسر آئے۔ ان کا حیرت انگیز اثر یہ ہوا کہ وہ یورپ کی جارحانہ وطن پرستی سے بیزار ہو گئے اور ملت اسلامیہ کی وحدت کا تصور اپنی پوری شدت سے ان کے ذہن میں ابھرا اور ان کو یقین کامل ہوگیا کہ ہندی مسلمان بلکہ تمام مسلمانان عالم کی نجات کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ وہ پھر سے خالص اسلامی اقدار کو اپنائیں، اور مذہب کے ظاہری ڈھانچے سے نہیں، بلکہ روح اسلام سے زندگی کی انفرادی فلاح اور اجتماعی کامیابی کے وہ اصول کشید کریں جن کی صداقت پر خود گردش زمانہ نے اپنی مہر ثبت کی ہے۔

چنانچہ یورپ کے دوران قیام میں ان کے خیالات نے شاعری کا جامہ پہنا، وہ اکثر وبیشتر اسی تاثر کے سرمایہ دار ہیں۔ پنجاب کے بابائے اردو یعنی عبدالقادر مرحوم بھی ان دنوں

انگلستان میں بیرسٹری کی تعلیم کے لیے مقیم تھے، مگر وہ علامہ اقبالؒ سے ایک سال پہلے وطن واپس آ گئے تھے۔ ان کی واپسی کے کچھ عرصہ بعد علامہ اقبالؒ نے انہیں ایک خط لکھا جو ان کے مجموعہ کلام ''بانگ درا'' میں تمام وکمال موجود ہے، یہ خط ایک دوست کا خط ہے۔ مگر درحقیقت اس انقلاب روحانی اور مدد یبانی کا طوفان ہے جو ان ایام میں شاعر کے دل درد آشنا میں کروٹیں لے رہا تھا، فرماتے ہیں:

اٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افق خاور پر بزم میں شعلہ نوائی سے اجالا کر دیں
گرم رکھتا تھا ہمیں سردی مغرب میں جو داغ چیر کر سینہ اسے وقف تماشا کر دیں
شمع کی طرح جئیں بزم گہہ عالم میں خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

ملت اسلامیہ کے ایک حساس نوجوان کے سینے میں جس قسم کے احساسات تلاطم برپا کر رہے تھے، یہ نظم لطیف ان کی ہلکی سی آئینہ داری کرتی ہے۔ لیکن یہاں بھی علامہ اقبالؒ نے خود شناسی اور خودنگری سے صرف ایک قدم آگے بڑھایا۔ اور اپنی بے تابیوں میں محض ایک رفیق دور افتادہ کو شریک کیا ہے۔ اپنے معاصر نوجوان کو انہوں نے کوئی پیغام نہیں دیا، اگرچہ اپنے سینے کو چیر کر دکھانے سے ایک خاموش دعوت ہم نفسی ضروری ہے۔

(۲) علامہ اقبال کی شاعری کا دوسرا دور:

پھر وہ دور آیا جب علامہ اقبالؒ نے پختہ سالی کی منزل میں قدم رکھا۔ اور وہ روائتی حق حاصل کیا۔ جسکی رو سے شاعر یا مفکر اپنے احساسات براہ راست اپنے مخاطبین تک پہنچا سکتا ہے۔ علامہ اقبالؒ اس بارے میں بہت وضع دار تھے، انہوں نے اس کا حق کا اس وقت تک استعمال نہیں کیا جب تک وہ جوانی کے دائرے سے نکل کر سچ مچ پختہ سالی کی منزل میں داخل نہیں ہو گئے۔ بانگ درا کی مشہور نظم: ملاحظہ کیجئے جس میں وہ مسلم نوجوان سے مخاطب ہیں۔

کبھی اے نوجوان مسلم تدبر بھی کیا تو نے وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارہ
تجھے اس قوم نے پالا ہے۔ آغوش محبت میں کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سردارا

تمدن آفریں۔ خلاق آئیں جہانداری وہ صحرائے عرب یعنی شتر بانوں کا گہوارہ
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

لہٰذا ان کی شاعری کا دوسرا دور یورپ کے زمانہ قیام کی یادگار ہے، اس زمانے میں انہوں نے بہت کم نظمیں لکھیں۔ لیکن ایک بات نئی ملتی ہے۔ وہ یہ کہ یورپ کی مادی ترقیوں سے مرعوب ہونے کی بجائے انہوں نے اس تہذیب میں آنے والے زوال کے آثار محسوس کیے۔ اس بارے میں انہوں نے پورے زور اور مکمل اعتماد کے ساتھ ان الفاظ میں پیشین گوئی بھی کر دی:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی جو شاخ نازک پر آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

یورپ سے واپسی پر ان کا ذہن اور فکر پختہ ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ اس رازِ حقیقت تک پہنچ گئے. اور اس عزم اور فیصلے کے ساتھ واپس آرہے ہیں۔ کہ ملت اسلامیہ کو اپنی شاعری اور افکار کے ذریعے عمل پر آمادہ کریں گے۔ اس کا جمود توڑ دیں گے۔ اور اس کو وہ پیغام دیں گے جس میں اسکی نجات ہے، یہ خدمت وہ مرتے دم تک ادا کرتے رہے.

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

اسی لیے انہوں نے ملت اسلامیہ کو تین جدید تصورات دیئے تھے۔ خودی، فقر، اور عشق۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

پھر آپ نے جاوید اقبال کے نام یہ پیغام دیا:

خودی کے ساز میں ہے عمرِ جاوداں کے سراغ خودی کے سوز سے روشن ہیں امتوں کے چراغ

خودی سے مراد عظمت انسانی اور اس کی خوبیوں، ذمہ داریوں اور بلندیوں کا احساس ہے۔ اور اپنے آپ کو پہنچاننا یعنی انسان کو صحیح طور پر اندازہ ہو جائے۔ کہ وہ اس کائنات میں کیا مقام رکھتا ہے۔ اور اسے دنیا میں کس غرض کے لیے بھیجا گیا ہے۔ ان کے خیال میں انسان نے اپنا صحیح مقام اور

حیثیت پہچاننے مین ہمیشہ ٹھوکریں کھائیں۔اور اسی لیے اسے امن اور سکون میسر نہ آ سکا اگر وہ خودی سے واقف ہو جائے تو اس کی تمام مشکلات حل ہو جائیں۔خودی ان کے نزدیک یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں خداوند تعالی کا بندہ اور نائب بن کر رہے اور ساری کائنات کو برابر تسخیر کرتا چلا جائے.

فقر کے معنی غربت نہیں ہے، بلکہ وہ سیر چشمی اور بے نیازی کی کیفیت ہے، جو ادنی دنیاوی فوائد کی طرف سے بعض سید ارواح میں پیدا ہو جاتی ہے، عشق کا مطلب کسی جبین کا عشق نہیں ہے۔ بلکہ گرمی دل اور جذبہ کامل ہے، جس سے مالا مال ہو کر انسان ایک بلند روشن اور پاکیزہ زندگی بسر کرتا ہے اور بڑے بڑے کارنامے ایسی آسانی سے سرانجام دیتا ہے کہ عقل بھی حیران و سرگشتہ رہ جاتی ہے، ان تصورات کو علامہ اقبالؒ نے مومن کی ذات گرامی میں یک جا کر دیا.

علامہ اقبالؒ عاشق رسول مقبول ﷺ تھے، انکا سینہ عشق محمد ﷺ کا گنجینہ بن چکا تھا، اسی لیے وہ اپنے قاری کو اختیار عشق محمد مصطفیٰ ﷺ کی اسی طرح تلقین کرتے رہے:

ہر کہ عشق مصطفیٰ ساماں اوست　　بحر و بر در گوشہ داماں اوست
روح راجز عشق او آرام نیست　　عشق او زیست کو را شام نیست

مزید فرماتے ہیں:

دل بینا بھی کر خدا سے طلب　　آنکھ کا نور دل کا نور ہیں

یہ حضوری اور ''دل بینا'' انہیں تہجد کے سجدہ کی حلاوتوں سے ہاتھ آئی اسی لیے کہا.

رازی ہو غزالی عطار ہو رومی ہو　　کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

علامہ اقبالؒ حبیب پاک ﷺ کے محبّ صادق اور عاشق باکمال تھے، محبوب رب العالمین ﷺ نے انہیں ایک بار خواب میں عندلیب ''باغ حجاز'' کے لقب سے نوازا حضرت علامہ اقبالؒ نے اسکا اظہار اپنی مشہور نظم حضور رسالتمآب ﷺ میں یوں کیا ہے:

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا　　جہاں سے باندھ کے رخت سفر روانہ ہوا
فرشتے بزم رسالت میں لے گئے مجھ کو　　کہا حضور ﷺ نے اے عندلیب باغ حجاز

کلی کلی ہے تیری گرامی نوا سے گداز

''عندلیب باغ حجاز'' کے لقب کی بخشش کا ایک تو اخلاص مندی سے امت مسلمہ کو خواب سے جگاتا ہے، اور دوسرے سرکار دو عالم ﷺ کی ذات گرامی سے بے مثال وابستگی و شیفتگی ہے، حضرت علامہ اقبالؒ بہت بڑے درود خواں تھے انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں ایک کروڑ بار درود ابراہیمی پڑھکر پیش کیا۔ آپ کے کلام میں اسی درود پاک کی برکت سے حلاوت اور تاثیر پیدا ہوئی.

(۳) علامہ اقبال کی شاعری کا آخری دور:

علامہ اقبالؒ کی آخری دور کی نظمیں اگر چہ خالص شاعرانہ رنگینیوں اور مرصع کاریوں سے روز بروز عاری ہوتی چلی گئی ہیں، تاہم ان میں حکیمانہ وقار، والہانہ عشق رسول مقبول ﷺ، جوش وجلال اور دردمندانہ تڑپ بڑھتی گئی ہے، فلسفے کی دقیق باریکیاں نہایت پرکشش شاعرانہ انداز میں بیان کرنا کبھی تند سیلاب کا تمرّز اور کبھی پہاڑی ندی کا ترنم پیدا کرنا، وقت کے سیاسی اور سماجی و اخلاقی مسائل پر بصیرت افروز تبصرے کرنا اور اس کے باوجود شاعرانہ حسن برقرار رکھنا۔ اس عہد کی وہ خصوصیات ہیں جو کم از کم اردو کے کسی دوسرے شاعر کے ہاں نہیں ملتیں، بحروں قافیوں کا مناسب انتخاب لفظوں اور آوازوں کا موزوں استعمال مثالوں منظر نگاریوں اور دوسری ضروری باتوں کی کثرت اور تنوّع یہ تمام خصوصیات مل کر علامہ اقبالؒ کی شاعری کو نہ صرف ملی بلکہ آفاقی شاعری بنا کر زندگی جاوید تک پہنچا دیتی ہیں.

آخر کار اسی کار آمد مشغلے میں مصروف رہ کر ۱۹۳۸ء میں انہوں نے سفر آخرت اختیار کیا۔ اردو کے تین مجموعہ ہائے کلام ''بانگ درا'' بال جبرئیل، ضرب کلیم، اور متعدد فارسی مجموعے اسرار خودی، رموز بے خودی، پیام مشرق، زبور عجم، جاوید نامہ، پس چہ باید کرد اقوام مشرق، ارمغان حجاز اور دو ایک فلسفیانہ تصانیف نثر، جن میں خطبات کا ایک مجموعہ بھی شامل ہے، یادگار چھوڑے.

وہ شاعر خوش مقال جس نے شعور فن بھی عطا کیا اسی سے مرے قلم نے شعر و ادب میں حسن بیان لیا
وہ جس نے شکوہ کیا خدا سے خودی کا درس بقا دیا ہے چراغ حب رسول اللہؐ تھا وہ کہ جس نے روشن اقبال کیا